ڈاکٹر اباسین یوسفزئی* طفیل احمد زریاب یوسفزئی**

سچل سرمست انسانیت کی روایت کا شاعر

Abstract: *Humanity is the greatest religion in the universe. Every Sufi was the symbol of humanism. One of those Sufis who are humanists is Sachal Sarmast. Sachal had played a vital role in the creating and grooming of the society which was totally ignorant and ablivious from the value of humanity.He lit the lamp of love and tolerance in the darkness of ignorance. He taught the lesson of humanity throgh his poetry and he made tried to compose the society on the bases of humanity. That's why the people of other religions were also the members of his companions. This paper will highlight this aspect of the Sachal Sarmast the Sufi of Indus valley.*

تاریخ کے اوراق کو پلٹنے سے یہ بات عیاں ہے کہ ماضی میں ہم جن بحرانوں سے گزرے ہیں وہ اکثر سیاسی تھے جبکہ آج ہمیں تہذیبی بحران کا سامنا ہے، اس بحران سے نکلنے کے لئے ہمیں اپنے کلاسیکی شعراء اور ادیبوں کی تعلیمات کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیونکہ ہر بحران سے نکلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیج کر انہیں ہماری رہنمائی کا فریضہ عطا کیا ہے۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا، پھر نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ سورہ ال عمران ۱۰۴

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے)

کے سائے تلے اولیاء اور صوفیاء کی شکل میں ہر دور میں اپنے بندوں کو منتخب کیا جو بالترتیب اپنے رب اور نبی ﷺ کے پیغام اور تعلیمات کے نُور سے منور ہو کر انسانیت کی فلاح و بقا کا عظیم فریضہ انجام دینے لگے۔ ان میں بہت سارے اولیاء اور صوفیاء ایسے بھی ہیں جو شعر اور ادب کے ذریعے انسانوں میں محبتوں کے موتی بکھیرتے رہے۔ شاعر صوفیاء نے اپنی شاعری کو انسانیت کی اصلاح اور بقاء کے لئے اس انداز میں پیش کیا کہ ہر کوئی اس سے مستفید ہو۔ ہر کسی نے ان کے کلام سے اپنے ظرف اور ادراک کے مطابق فیض حاصل کیا۔ ان صوفی شعراء نے بہت عام فہم اور سلیس انداز میں اپنے افکار پیش کئے ہیں۔

* صدر، شعبہ پشتو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
** لیکچرار، شعبہ پشتو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

فخر زمان لکھتے ہیں:

"صوفیائے کرام کے کہے ہوئے خوبصورت الفاظ انسان کے کان میں مانوس سی نغمگی بکھیرتے ہیں۔ اپنے عام فہم معنی و مطلب کی وجہ سے ان الفاظ کو ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ لیتا ہے۔ اور دانشور اُن کے گہرے فلسفے کی وجہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں"۔(۱)

کلام میں سادگی اور سلاست کا مطلب یہی ہے کہ صوفیاء کا کلام قاری کے دل میں اتر جائے ان کو ذہنی و فکری تشنگی کو تسکین حاصل ہو اور اُن کی داخلی شخصیت میں نکھار پیدا ہو تا کہ وہ اپنے معاشرے کے لئے مفید ثابت ہو۔ اُن کی شخصیت محبت، رواداری، خلوص، انسان دوستی، اورانسانیت کے دکھ درد کا مداوا بن کر سامنے آئے۔ ہر دردمند اور غمزدہ کے دکھ اور پریشانی کو محسوس کر کے اُن کی مظلومیت اور محرومی کی آواز بن جائے۔ طبقاتی نظام اور ظلم و جبر کے خلاف اُن میں تحریک پیدا ہو اور یوں عدم تشدد اور صبر و تحمل سے ہر مشکل کا حل تلاش کیا جائے۔ یہی وہ صوفیائے کرام ہیں جو اپنے افکار کی صورت محبتوں کے دیے لیکر ہماری تاریک دنیا میں اُمید اور آس کے جگنو لے کر آتے ہیں اور ہمیں اپنے خالق، اپنی ذات اور انسانیت سے آشنا کرتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ جس معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور تہذیبی بحران سے گزر رہا ہے۔ اس سے نکلنے کے لئے ہمیں اپنے صوفی شاعروں کے افکار کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے افکار و تعلیمات ان کی شاعری کی حسین فنی نزاکتوں کے ساتھ دلوں میں اُتر کر روحوں کو منور کرتی ہیں۔ جب ہم اس نُور سے اپنی ذات کو منور کریں گے تب جا کر اصلاح معاشرہ اورانسانیت کا تصور اُجاگر ہو گا۔ ان صوفیاء کی شاعری مخلوق خدا سے اُنس و محبت، ایک دوسرے کے دُکھ درد کو سمجھنے، رنگ، نسل، زبان اور مذہب سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کے رشتے کی بات کرتی ہے۔ اگر ہم اس خطّے کے شعر و ادب کا جائزہ لیں تو یہاں پر ایسے صوفی شعراء موجود ہیں جنہوں نے انسانیت سے محبت کا درس دیا ہے۔

تصوّف برصغیر کے عالی ادب میں من پسند موضوع رہا ہے۔ اس کی وجہ شاید اس خطّے کے لوگوں کی اسلام سے وابستگی، کثیر تعداد میں صوفیاء کرام کا یہاں جنم لینا اوران کی تحریروں کی موجودگی ہے۔ صوفیاء دیگر مذاہب میں بھی ہو سکتے ہیں، مگر جب بات اسلام کی آتی ہے تو پھر اسلامی تصوف کی طرف مسلمان کا جھکاؤ ہونا یقینی امر ہے۔ صوفی، درویش، فقیر، سالک اور فنافی اللہ لوگ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو نفسانی تقاضوں کو ثانوی اور ادنیٰ حیثیت دیتی ہیں جبکہ روحانی مقاصد اور ضروریات کو مقدم سمجھ کر خودی اور خودشناسی کا وہ اعلیٰ وارفع مقام حاصل کر لیتے ہیں جو انسانیت کی معراج اور خالق حقیقی کا منشا ہے۔ مختصر یہ کہ تصوّف وہ روحانی عمل یا راستہ ہے جس کے ذریعے انسان اللہ کی رضا حاصل کر کے اپنی رضا کو اللہ کی رضا کا حصہ بنالیتا ہے، یوں پھر ایک مرحلہ آتا ہے کہ "تیری رضا اللہ کی رضا بن جاتی ہے "بقول اقبال:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تصوّف اخلاقیات کو بہترین بنانے کا بہت ہی بے تکلف، آسان مگر مجاہدے سے بھرپور راستہ ہے۔ آسان اس لیے کہ اس میں پیچیدگی قطعًا نہیں اور مجاہدہ سے بھرپور اس لیے کہ مسلسل عبادات اور عملیات (ذکر واذکار) کے ساتھ اپنے افعال میں حسن اور پختگی لانا ہے اور اللہ کے علاوہ تمام قوتوں سے دامن سمیٹ کر صرف اور صرف اللہ کا ہو جانا اور ہو کر رہنا ہے۔ یہ تمام منازل اپنے اخلاق کی اصلاح کے بعد حاصل ہو جاتے ہیں، کیوں کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک انسان کی عظمت کا معیار کسی اور خوبی سے نہیں بلکہ خالصتًا اخلاقی حسن سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے سب سے محبوب انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے بارے میں ارشاد کہ " بے شک آپ کے اخلاق عظیم ہیں" ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق و کردار کے اعلیٰ ترین مقام پر ہیں۔ اگر کوئی انسان اللہ کا قرب حاصل کرنے کا خواہشمند ہو تو وہ سب سے پہلے اپنے اخلاق کا معیار اس مقام کی جانب گامزن کرنا شروع کر دے جہاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور ارشادات کی روشنی میں ہی اللہ کی تلاش کے مراحل طے کرتا ہوا مقام قربت کی جانب پیش قدمی کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بابا فرماتے ہیں:

چې دادومره لوے مېلمه تهٔ کورته بیایې
اول غولے پاکیزه کړه له خاشاکه

ترجمہ: عظیم ترین مہمان (اللہ تعالیٰ) کو بلانا مقصود ہے تو پہلے انگن (قلب) کو خس وخاشاک (دنیاوی خواہشات) سے پاک وصاف کرنا ہو گا"۔

تصوّف کا موضوع تاریخ ہے نہ جغرافیہ، ریاضی ہے نہ جیومیٹری اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں کی گئی ہر وضاحت ہمیشہ تشنہ دکھائی دیتی ہے۔

پشتو کے عظیم صوفی شاعر رحمان بابا ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ـه په آزار دچا راضي مهٔ شه رحمانه
که خلاصے په قیامت غواړې له عذاب(۲)

ترجمہ: اگر قیامت میں نجات درکار ہے تو مردم آزاری سے بچ کر رہنا۔

واړه د خپل ځان په نظر ګوره که دانا یې
اے عبدالرحمانه جهان ټول عبدالرحمان دے(۳)

ترجمہ: اگر دانائی عزیز ہے تو سب کو اپنے جیسا سمجھو۔اے عبدالرحمان ساری دنیا عبدالرحمان ہے۔

حمزہ شنواری بابا بھی فرماتے ہیں:

خپلو کښې چې چرته د انسان د انسان جوړه شي
هله بامعنې به صحیفه د جهان جوړه شي(۴)

ترجمہ: انسان اگر آپس میں شیر وشکر ہو جائیں تو تب صحیفہ ءجہان با معنی ہو جائے گا۔

اس طرح بابا فرید، بلھے شاہ، شاہ لطیف اور دوسرے صوفیاء نے بھی انسانیت کا درس دیا ہے۔ سلطان باہو صوفیاء کے متعلق فرماتے ہیں:

نا او ہندو نا او مؤمن نہ سجدہ دین مسیتی ہو
دم دم دے وچ دیکھاں مولان جھاں جان قضا نہ کیتی ہو

ترجمہ: وہ ہندو نہ مسلمان، نہ انہوں نے مسجد میں سجدہ کیا، وہ ہر سانس میں خدا کو دیکھتے ہیں اور کبھی صوفیاء نعرہ "ہو" نہیں چھوڑتے۔

اردو میں میر کہتا ہے:

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نُور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ

یہی وہ محبت ہے جو انسان کو انسانیت کی معراج پر پہنچاتی ہے اور سب کو ایک دائرے میں لانے کے قابل بناتی ہے۔ جہاں محمود و ایاز جیسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور ہر طرف محبت امن اور رواداری، برداشت اور بھائی چارے کی فضائیں نظر آجاتی ہیں۔ خود پرستی، کینہ، بغض، حسد، عداوت اور مفاد پرستی کے تصوّر کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہی تعلیم اور پیغام ہمیں سچل سرمست کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔

سچل سرمست فاروقی النسل تھے۔ اُن کا نام شیخ عبدالوہاب تھا۔ 1152 ہجری بمطابق 1739 عیسوی کو خیرپور کے قصبے درازہ میں خواجہ صلاح الدین کے ہاں پیدا ہوئے اور وہیں تقریباً 90 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔

کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

"سچل سرمست کا نام شیخ عبدالوہاب تھا۔ آپ 1152 میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے دادا صاحبِ ڈِنہ (شیخ محمد حفیظ) کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ 14 سال کی عمر میں تحصیل تمام ہوئی۔۔۔ آپ سندھی، سرائیکی، پنجابی، اردو اور فارسی چاروں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اُردو اور فارسی میں آشکارا، اور سندھی اور سرائیکی میں سچل اور سچو تخلص کرتے تھے"۔(۵)

لیکن سید مظفر جمیل نے اُن کو شاعرِ ہفت زبان کے نام سے یاد کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"وہ (سچل سرمست) بیک وقت سندھی، فارسی، اُردو، سرائیکی، ملتانی اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اس لئے عرف عام میں شاعر ہفت زباں کہلاتے تھے۔"(۶)

مظہر جمیل نے صرف چھے زبانوں کے نام لکھے ہیں جس میں عربی کو شامل نہیں کیا۔

سچل سرمست کو مذہب سے انتہائی لگاؤ اور عقیدت تھی مگر ان کے حلقے میں ہر مذہب اور مسلک کے لوگ بیٹھتے تھے بالخصوص ہندو اور سکھ تو کثیر تعداد میں شامل ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مذہبی تنگ نظری کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ وہ انسانیت کے سب سے بڑھ کر قائل تھے اور مذہب کو نفاق کے بجائے اتفاق اور ہم آہنگی کی ساتھ رواداری کی علامت سمجھتے تھے۔ اُن کا کلام آفاقی اور ہر دور کے لئے موزوں ہے۔ انہوں نے مذہب و ملت ملک و قوم رنگ و نسل اور زبان سے بالاتر ہو کر انسانیت کا عالمگیر اور ہمہ گیر فلسفہ پیش کیا۔ جس کی آج بھی ہمیں بہت زیادہ ضرورت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

نا میں مُلا نا میں قاضی نا میں سبق سبق پڑھاواں
نا میں کعبہ نا میں قبلہ مکے مول نا جاواں
نا میں سنی نا میں شیعہ سید کین سڈاواں
نا میں نانک نا میں لچھمن گنگا مول نہ جاواں
یارتے میر دُرس درازی سچو ناں سڈاواں (۷)

انسانیت اور انسان دوستی، مذہبی رواداری اور دوسروں کے فکر و نظریے اور مذہب کا احترام دوسرے مسالک اور مکاتب فکر کے لئے برداشت اور وسعت نظری عصری تقاضا ہے اور سچل نے ہمیں اس بنیادی نکتے کا درس عرصہ پہلے دے دیا ہے۔

بقول اے کے بروہی:

"(سچل سرمست نے) انسان اور کائنات کے راز اور رموز کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے اور انسان کو خود شناسی کے ذریعے خدا شناسی تک پہنچنے کا راستہ دکھایا ہے۔"(۸)

اور یہی خود شناسی انسانیت شناسی کے مترادف ہے جس کا درس سچل سرمست نے ہمیں دیا ہے۔ اس خود شناسی اور خود اعتمادی کو وہ بہت نفیس انداز میں بیان کرتے ہیں:

مست رہے مے خانہ اندر مانگ لی ہم نے مستی
مستی کا جو راز نہ جانے اس کی یہ کم بختی
سچل سب ہیں جھوٹی باتیں سچا عشق الستی (۹)

جب عشق کے دریا میں ڈوب کر انسانیت اور انسان دوستی کی مے پی لیں تو اس طرح گویا ہوتے ہیں:

جس نے پی لیا عشق کا جام، وہ دل مست و مست مدام
مذہب دین کہاں رہتے ہیں ،ہے نہ کفر اسلام
میرے حامی پنج تن پاک اور حسن حسین امام
کرم کرے عشاق پہ اُن کو دے جنت میں مقام (۱۰)

ہر انسان اپنے معاشرے میں ایک مقام رکھتا ہے اور اس معاشرے کی اصلاح اور بہتری میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ معاشرے کے اندر لوگوں کی تربیت اور ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی بلندی، مذہبی رواداری اور سماجی معاملات کی درستگی کے لئے خالق کی معرفت اور مخلوق میں بلا تفریق محبت کے پھول نچھاور کرنا سچل سرمست کا اصل پیغام ہے۔ سچل نے خالق کو سب کچھ تسلیم کیا ہے اور ہمیں بھی یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں:

خدا کس جا نہیں رہتا اللہ جگ لوک سارا ہے
گلی کوچے میں ہے جلوہ اللہ جگ لوک سارا ہے
وہ ہر ہر جا پہ حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
وہ آنکھوں پر بھی ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے (۱۱)

اور پھر خود احتسابی کی دعوت دیتے ہوئے غفلت اور بے زاری کو ترک کرنے کا درس دیتے ہیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے مطابق:

" سچل سرمست اس حیات فانی کو ایک تماشہ تصور کرتے تھے اور اس کی حیرت زائیوں کو کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہیں ۔ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سچل کی خود شناسی کو اُن کی فکر کا مرکز اور محور قرار دیتے ہیں"۔ (۱۲)

اور یہ رنگ یہاں پر نظر آتا ہے:

بول! فقیر تو خود کو کیوں کہلاتا ہے
عشق کا ہے میدان ، نہیں تو آتا ہے
غفلت میں سب عمر تیری برباد ہوئی
کبھی نہ مستی مے خانے کو جاتا ہے
اس بِن جیتے رہنا ایک عذاب ہوا
تو سمجھا نہیں لوگوں کو سمجھاتا ہے
خلقت سے تو ہر کہانی کہتا ہے
تُف ہے تیرے حال پہ خود گبھراتا ہے
عشق کا دعویدار ہے خوش خوش رہتا ہے
سر پر بار ملامت کہاں اُٹھاتا ہے
پی کے پیالہ شوق سچل سرمست ہوا
ناچتا خود نہیں پر لوگوں کو نچاتا ہے (۱۳)

سچل سرمست نے اُس دور میں شاعری کی جب کلہوڑا کے حکمران مختلف مسائل سے دوچار تھے۔ رست وخیز، اتھل پتھل، انتشار اور قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ جاگیرداروں اور سرداروں کے درمیان لوٹ مار اور قتل وغارت نے عوام کی زندگی کو مفلوج کر رکھا تھا۔ اس اثنا میں سچل سرمست جیسے صوفیوں نے لوگوں کو سہارا دیا۔ ان کے درمیان رام اور رحیم کا فرق ختم کیا اور علی الاعلان کہا کہ رام اور رحیم دراصل ایک ہی تصور کے دو رُخ ہیں اور کوئی مذہب دوسرے مذہب کے خلاف منافرت، دشمنی اور گٹھ جوڑ کا درس نہیں دیتا۔ سچل نے انسانیت کی بنیاد پر سب کو ہمدردی اور بھائی چارے کا درس دیا۔ آج بھی بعض لوگ مسلکی تفرقات، قومی اور مذہبی منافرت کو ہوا دینے اور معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی اور دلوں میں نفرتوں کے بیج بونے کے کام میں سرگرمِ عمل ہیں۔ جس نے ہمارے درمیان اعتماد اور اتحاد کا جذبہ قدرے کمزور کیا ہوا ہے۔ لیکن آج بھی اگر ہم سچل کے پیغام کو عام کریں گے تو پھر برداشت، یکجہتی اور رواداری کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

سچل فرماتے ہیں:

تاب سے میں بے تاب ہوا ہوں تاب سے میں بے تاب
نہ میں گویا نہ میں جویا نہ میں سوال جواب
نہ میں خاکی نہ میں بادی نہ ہی آتش ، آب
نہ میں جنِی نہ میں اِنسی نہ مائی نہ باپ
نہ میں سُنّی نہ میں شیعہ پاپ نہیں نہ ثواب
نہ میں شرعی نہ میں ورعی نہ میں رنگ رباب
نہ میں ملاّ نہ میں قاضی نہ میں شور شراب
ذات سچل کی کیا پوچھو ہو پنچ ہے پر نایاب (۱۴)

سچل کی حق گوئی سچائی اور انسانیت کے درس نے تمام مفاد پرست طبقوں کو جو مذہب کو صرف اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے، کو مخالف بنا دیا تھا۔ لیکن پھر بھی سچل نے اُن کی پرواہ نہیں کی اور لوگوں میں محبتوں کی خوشبو پھیلانے کا فریضہ انجام دے دیا۔ اُن میں رواداری، مذہبی ہم آہنگی، بردباری اور برداشت کے موتی بکھیرتے رہے۔ سچل سرمست کے حوالے سے پروفیسر ایل۔ ایچ اجوانی اپنی کتاب A History of Sindhi Literature میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "حیرت ہوتی ہے کہ آخر سچل، سقراط، عیسیٰ، منصور حلاّج، اور گاندھی کے انجام سے کیوں کر محفوظ رہ سکا۔ اُس عہد کی تمام رجعت پسند طاقتیں پوری شدت کے ساتھ اُس کے خلاف مجتمع ہو چکی تھیں اور ان کی کوشش تھی کہ انہیں کافر اور مرتد قرار دے کر سولی پر چڑھا دیں لیکن سچل کی شخصیت میں ایسی طلسماتی طاقت تھی جو اسے رجعت پسند طاقتوں اور جاہل لوگوں کے غیض وغضب سے بچائے ہوئے تھی"۔(۱۵)

ان حالات میں سچل یہی بات دہراتے رہے:

سن میاں قاضی ، دل نہیں راضی کیا جھگڑا ہے لایا
اول عشق ہوا ہے رب کی جس نے رسول اُپایا
دویم عشق محمد ﷺ کو جس کلمہ پاک پڑھایا
اس کے بعد اُن چاروں یاروں نے ہے صدق کمایا
اک دن میرے مرشد نے مجھ سے ایسے فرمایا
یہی طریقہ وحدت والا خوش ہوکر اپنایا (۱۶)

الغرض سچل سرمست کی شاعری کو پڑھ کر اور سمجھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان زبان، نسل، علاقہ اور مذہبی سرحدوں کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ انسانیت کے آفاقی نظریے کے تحت معاشرے کی تشکیل اور فلاح چاہتے تھے۔ انہوں نے خیر و شر کے معیارات مقرر کئے اور فرد کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اُن کی شاعری نے دلوں میں انسانیت کی تخم ریزی کی۔ جس سے آج کا انسان بھی مستفید ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کے لئے آسانیاں پیدا کرنے اور محبتوں کے رنگ بکھیرنے کے لئے آج سچل سرمست کے کلام سے استفادہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سچل ایک سدا بہار شاعر اور مفکّر ہیں جس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کبھی کم نہیں ہوتی۔

حوالہ جات:

۱۔ پاکستان کے صوفی شاعر، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص ۷

۲۔ درحمان بابا کلیات، مرتب، دوست محمد کامل مومند، قلندر مومند، پیشاور، ۲۰۱۸، ص ۱۷۸

۳۔ ایضا، ص ۳۲۹ ۴۔ دحمزہ کلیات، ص ۳۱۸

۵۔ کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ریاض انور سیکرٹری، بزم ثقافت، ملتان، ۱۹۶۹، ص ۲۵۲

۶۔ سید مظہر، جمیل، جدید سندھی ادب، اکتوبر ۲۰۰۴، اکادمی بازیافت، ص ۳۷۹

۷۔ پاکستانی زبانوں کے صوفی شعرا، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۲۱۲

۸۔ سید مظہر، جمیل، جدید سندھی ادب، ص ۳۸۱

۹۔ یاسر، خالد اقبال، ادبی تناظر، اکادمی ادبیات، اسلام اباد، ص ۴۴

۱۰۔ مرزا، شفقت تنویر، سچل سرمست، کلام اور اردو ترجمہ، الفیصل ناشران، لاہور، تیسری بار، جون ۲۰۱۰، ص ۲۲۹

۱۱۔ ایضا، ص ۲۳۳ ۱۲۔ جدید سندھی ادب، ص ۳۸۱

۱۳۔ مرزا، شفقت تنویر، سچل سرمست، کلام اور اردو ترجمہ، ص ۲۵۲

۱۴۔ ایضا، ص ۲۵۱

۱۵۔، جدید سندھی ادب، ص ۳۸۳-۸۴

۱۶۔ سچل سرمست، کلام اور اردو ترجمہ، ص ۲۷۹

☆☆☆☆☆